Advertisement at Urdu Palace

Are you looking for an affordable website to advertise your business?
Urdu Palace offers lowest rates for all advertisers.
For Advertisement of your brand or business on our website call us or contact through

Whatsapp on following numbers:+92-348-8709449,+92-303-5110135

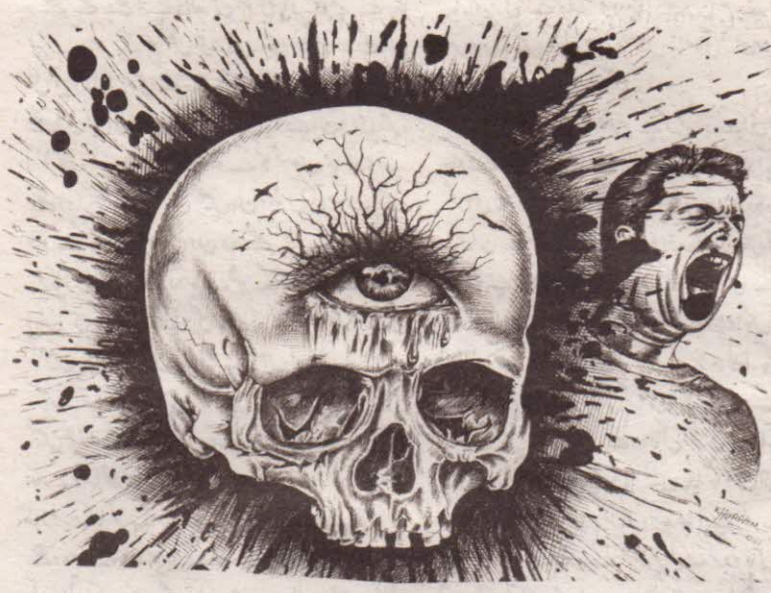

انگوٹھی

احسان الحق

اچانک دلدوز کان پھاڑنے والی چیخ سنائی دی، جسم کے پرخچے اڑگئے اور سارے قرب و جوار میں بکھرگئے، درد ناک اور اذیت ناک چیخیں قرب و جوار کو دھلا گئیں اور پھر.....

زیادہ، زیادہ اور بہت زیادہ دولت کے دلدادہ ایک شخص کی عبرت ناک حالت زار

میرا نام بنیامین ہے اور میں اپنے والدین کا اکلوتا بیٹا ہوں۔ لیکن مجھے یہ بات دکھ کے ساتھ بتانی پڑ رہی ہے کہ میرے والدین اس وقت اس جہان فانی سے کوچ کر گئے تھے، جب میری عمر فقط سات سال کی تھی۔ ان کے اس جہان سے جانے کے بعد میرے اکلوتے چچا نے میری پرورش اپنے ذمہ لے لی تھی۔ چچا نے بہت بعد میں شادی بھی کرلی تو میری چچی نے مجھے اپنی اولاد کی طرح پالا تھا۔ انہوں نے کبھی مجھے یہ محسوس نہیں ہونے دیا تھا کہ میں ایک یتیم مسکین بچہ تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ میرا بھی چچا اور چچی کے سوا دنیا میں کوئی نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کی عجب منشاء تھی کہ ان کے ہاں کوئی اولاد نہ ہوئی تھی۔ لیکن اس بات کو بھی دونوں میاں بیوی نے کبھی دل پر نہ لیا تھا۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ میری موجودگی کے سبب انہیں کبھی بے اولادی کا احساس ہی نہیں ہوا تھا۔

میرے لئے بھی چچا اور چچی ہی والدین کا درجہ رکھتے تھے مجھے اپنے والدین بخوبی یاد تھے میرے چچا میرے والد کے ہم شکل ہی تھے۔ یہی وجہ تھی کہ مجھے ان کی کمی دنیا میں کبھی کچھ خاص محسوس نہیں ہوئی، ہاں البتہ مجھے اپنی امی کی صورت اچھی طرح یاد ہے ان کی کمی میں اکثر بطور ایک علیحدہ وجود ہونے کا محسوس کیا کرتا تھا۔ مجھے وہ اکثر یاد آیا کرتی تھیں ان دونوں کی موت ایک حادثے میں ہوئی اس دن وہ مجھے چچا کے پاس چھوڑ کر گاڑی میں بیٹھ کر دوسرے شہر گئے ہوئے تھے۔ غالباً وہاں کسی کی فوتگی ہوئی تھی۔ ابو نے کہا تھا کہ بنیا مین تمہیں چچا کے پاس چھوڑ دیتے ہیں اور امی نے مجھے سمجھاتے ہوئے یہ بتایا تھا کہ بچوں کا ایسے موقع پر کام نہیں لہٰذا مجھے گھر پر ہی رہنا چاہئے۔ اور چچا جان بھی ہمارے ساتھ ہمارے ہی گھر پر رکے تھے۔ وہ سرکاری ملازمت کیا کرتے تھے جبکہ ابو جان ایک نامی گرامی تاجر تھے وہ سونے کا کام کیا کرتے تھے۔ صرافہ بازار میں ان کی ذاتی ایک دکان تھی۔ یوں میرے والد صاحب کافی دولت مند تھے۔ پھر اس رات، رات کے گیارہ بجے کے قریب پولیس والوں نے جب گھر آ کر بتایا تھا کہ حادثہ پیش آ گیا ہے تو چچا جان مجھے ہمسایوں کے پاس چھوڑ کر اسپتال سے میرے والدین کی بے جان لاشیں لئے گھر لوٹ آئے تھے۔ محلے میں اس وقت کہرام مچ گیا تھا، سب ملنے والوں کو خبر کی گئی تو اگلے روز ہمارے گھر میں ایک دنیا کا ہجوم اکٹھا ہو چکا تھا۔

اب مجھے اٹھارہ سال کا ہوئے پورے چار دن گزر چکے تھے اور چچا جان نے مجھے اپنے مطالعہ والے کمرے میں تنہا بلایا تھا، میں اب ایف، اے کر چکا تھا اور آگے بی، کام کرنے کی تیاریوں میں مجھے مشغول ہونا تھا۔ میں جب چچا جان کے مطالعہ والے کمرے میں داخل ہوا جہاں انہوں نے تین دیواروں پر بڑی سی الماریاں بھی رکھی ہوئی تھیں جن کے خانوں میں کتب کو انتہائی نفاست کے ساتھ سجا رکھا تھا چونکہ میرے چچا مطالعے کے شوقین تھے اسی لئے گھر میں بھی انہوں نے نہایت ادبی ماحول رکھا ہوا تھا مجھے دیکھتے ہی انہوں نے پیار اور نرمی سے کہا۔ ''آؤ بیٹا! مجھے آج تم سے بہت سی ضروری باتیں کرنی ہیں۔'' میں خاموشی سے سر جھکا کر پاس رکھے صوفے پر بیٹھ گیا۔

''بیٹا! تمہیں معلوم ہے کہ تمہارے امی ابو ایک حادثے میں فوت ہو گئے تھے اور آپ کے ابو ایک نامی گرامی تاجر و صراف تھے۔ ان کی دولت اور دکان سب کچھ ان کے مرنے کے بعد میری ذمہ داری میں آ گیا تھا یوں آپ اٹھارہ سال کے ہو چکے ہیں اس لئے میری ذمہ داری ہے کہ میں آپ کو ان کا کل ورثہ واپس کر دوں یہ فائل ہے۔ اسے اچھی طرح سے پڑھ لینا کچھ دنوں کے بعد دونوں باپ بیٹا مل کر اس پر کام کریں گے۔''

میں نے میز پر سے وہ فائل اٹھالی جو صفحات میں کافی بھاری تھی۔ ''جی ابو جی!'' میں چچا کو ابو جی ہی کہتا تھا وہ فائل ہاتھ میں تھام کر میں سیدھا اپنے کمرے میں واپس آ گیا تھا۔ میں نے بستر پر لیٹ کر وہ فائل پڑھنا شروع کی تو اس میں میرے مرحوم ابو جان کی کل جائیداد کے کاغذات تھے۔ ساتھ میں دکان، زمینوں، زیورات، نقدی کی مقدار کا تمام حساب کتاب اس میں درج تھا۔ میں نے جب تخمینہ لگایا تو ابو جان کی فوتگی پر ان کی جائیداد کی کل مالیت ڈیڑھ کروڑ تھی جبکہ اب وہ پورے دس کروڑ کی ہو گئی تھی۔ نقدی کو تو بینک میں ڈپازٹ کی وجہ سے ضربی پر لگ گئے تھے گیارہ سال قبل جمع کروایا سو روپیہ آج کے آٹھ سو یا ہزار روپے کے برابر ہو چکا تھا۔ ان گیارہ سالوں میں میرے چچا جان نے ابو جی کی جائیداد میں سے ایک روپیہ بھی اپنی ذات پر یا مجھ پر نہیں لگایا تھا۔ میں نے وہ فائل بند کر دی تھی آنکھوں میں اشک اس بات کی غمازی کر رہے تھے۔ میں افسردگی کے عالم میں رو رہا تھا میں بستر پر دراز ہو کر چت سیدھا لیٹ گیا تھا۔ مجھے بار بار یہ خیال آ رہا تھا کہ ان گیارہ سالوں میں مجھ پر چچا جان نے بے دریغ پیسہ لگایا تھا کبھی کوئی کمی محسوس نہیں ہونے دی تھی مگر اتنی بڑی جائیداد اور نقدی کے ہوتے ہوئے بھی انہوں نے ایک روپیہ بھی

ابو جان کی چھوڑی میرے لئے وراثت سے کلیم نہیں کیا تھا اور آج جبکہ میں بلوغت کی عمر کو پہنچ چکا تھا تو وہ یہ سب مجھے تھما کر بری الذمہ ہو جانا چاہتے تھے میرے دل میں نہ جانے ایک عجیب سی کسک نے جنم لیا تھا میرا جی کر رہا تھا کہ اب میں اپنے ان منہ بولے والدین کے لئے ضرور کچھ کروں جنہوں نے یوں بے لوث ہو کر میری تعلیم و تربیت پر بے دریغ خرچ کیا تھا۔ نہ صرف خرچ ہی کیا تھا بلکہ جب جب میں بیمار ہوتا یا مجھے ان کی ضرورت ہوتی، یہ میرے سر پر سایہ رحمت بن کر اسی آن حاضر رہا کرتے تھے یہی تمام خیالات اپنے قلب کے پنہاں گوشوں میں سمیٹتے ہوئے مجھے نیند آ گئی تھی اور میں نیند کی وادی میں داخل ہو کر سو گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

تھوڑے دنوں کے بعد مجھے بی کام میں داخلہ مل گیا تھا۔ میں نے کالج آنا جانا شروع کر دیا تھا چچا جان نے کاغذات پر دستخط کروا کر ساری قانونی کارروائیاں نپٹا دی تھیں انہوں نے اپنی طرف سے بھی بیس لاکھ روپے میرے اکاؤنٹ میں جمع کروا دیے تھے۔ ساتھ میں انہوں نے مجھ سے یہ عہد بھی لیا تھا کہ میں اپنی پڑھائی کے ساتھ کسی طور سے سمجھوتہ نہیں کروں گا۔ کیونکہ ان کا خیال تھا کہ انسان کے پاس چاہے لاکھ دولت ہو جائیداد کا انبار لگے ہوں لیکن اصل دولت جو ہوتی ہے علم ہوتا ہے انہوں نے مجھے یہ یاد کروایا تھا کہ انسان کا اصل زیور تعلیم ہے اور اصل دولت علم ہے اور علم وہ دولت ہے جو ہم سے کوئی چرا نہیں سکتا، چھین نہیں سکتا۔ میں نے بھی اپنے باپ سمان چچا سے اس بات کا عہد کر لیا تھا کہ میں کسی قیمت پر بھی تعلیم نہیں چھوڑوں گا۔

بی کام کے پہلے سال ہی میری ملاقات نئے دوستوں سے ہوئی جن میں عقیل، وسیم سرفہرست تھے۔ ایف اے کے دوست تقریباً نہ ہونے کے برابر ہو چکے تھے۔ کچھ نے ملازمتیں اختیار کر لی تھیں اور کچھ بی اے کرنے لگ گئے تھے جبکہ کچھ پڑھائی چھوڑ کر محنت مزدوری کرنے میں مصروف ہو گئے تھے۔ جو لوگ بی اے کر رہے تھے ان کا خیال تھا کہ محض اسناد حاصل کر کے ایم اے کر لیں گے یا کسی سرکاری یا نیم سرکاری ادارے میں انہیں کوئی عام سی نوکری مل جائے گی۔ جو لوگ پڑھائی چھوڑ کر کاروبار کے معاملات میں الجھ گئے تھے ان میں سے اکثر کی کوئی نہ کوئی گھریلو مجبوری آڑے آ گئی تھی یا پھر پیسے کی ہوس بش نے وقت سے پہلے انہیں اپنی جانب کھینچ ڈالا تھا۔ وہ لوگ جو تعلیم یکسر چھوڑ بیٹھے تھے وہ دو قسم کے تھے۔ ایک وہ جن کی انگریزی جیسے مضمون میں کوئی اٹک گئی تھی یا جنہیں کسی مضمون میں فیل کر دیا گیا تھا اور دوسری قسم ان عامیوں کی تھی جو بے چارے ازل سے تعلیم کو ایک بوجھ سمجھے بیٹھے تھے۔ شاید والدین اور معاشرے سے وقتی طور پر جان چھڑانے کے لئے یا شیخیاں گپیں مارنے کی غرض سے لوگوں کو جتلانے کے لئے کہ ''جی! ہم بھی پڑھ رہے ہیں۔'' اپنے ساتھ زندگی بھر کا عظیم ترین مذاق کر رہے تھے۔ جو مستقبل قریب میں انہیں اور ان جیسوں کو بہت مہنگا پڑنے والا تھا وقت کی بہتی دھارا کتنی ظالم ہوتی ہے شاید ان جیسے ''افلاطون'' کی مری ہوئی عقل کے احاطہ میں فی الوقت یہ بات نہیں سما رہی تھی۔ وہ محض وقت گزاری کر رہے تھے اور آوارہ ہی پھر رہے تھے۔ اس کے برعکس بہت کم لیکن ہنوز معاشرے میں ایسے باپ بھی موجود تھے جو اچھے بھلے قابل بچوں کو آگے پڑھانے کے روادار نہ تھے۔ وجہ اس کی جو بھی رہی ہو لیکن اگر وطن عزیز میں نظام درست ہوتا تو حکومت اپنے ایک ایک شہری پر نگاہ رکھتی اور اس انسانی وسیلے Human Resourse کو ضائع نہ ہونے دیتی۔ لیکن حکومتی سیاست دانوں کو اپنی پیٹ کی دوزخ اتنی گہری تھی کہ سرکاری خزانے سے وہ کبھی نہ بھرتی تھی۔ وہ اس اہم ترین شعبے پر کیا نگاہ رکھتے۔

☆.....☆.....☆

''یار! آج کلاس روم میں میرا دل سڑ گیا۔'' ناصر نے برا سا منہ بنا کر کہا۔ میں عقیل اور وسیم بھی برا سا منہ بنا کر کھڑے تھے۔

''اب دیکھو نا! سر نے کتنے آرام سے کہہ دیا ہے کہ ہم تعلیم کے شعبے پر نوٹ لکھ کر لائیں گے۔ اعداد و شمار بھی ہمیں خود ہی بتلا دیئے۔'' وسیم نے بھی برا سا منہ بنا کر کہا جس پر میں نے اس سے کہا۔'' یار! فارمولیٹی ہی ہے نا! اب اتنے بھی محب وطن بننے کی ضرورت کیا ہے کاغذ کا ٹکڑا لینا ہے ہمیں، بی کام کی سند ملنی چاہئے ہمیں..... اور ہمیں کیا چاہئے۔''

''میں تو یہ کاغذ کا ٹکڑا ضرور لوں گا بھائیو! چاہے اس ٹکڑے کی وطن عزیز میں کوئی قدر و قیمت ہو یا نہ ہو یہ کاغذ کا ٹکڑا تو میں لے کر رہوں گا۔'' عقیل نے سینہ تان کر کہا۔'' باقی کام میرے ابو کا ہے وہ کریں گے میری سفارش اور مجھے لگا دے گا کسی نہ کسی راہ پر۔''

''ابے تیرا ابا تو تجھے لگا دے گا۔ باقی آبادی میں کتنے ابو ہوں گے جو اپنے اپنے سپوتوں کو سفارش کر کے لگائیں گے میرا تو ابا کہتا ہے کہ بی کام کے بعد کلرکی کر لینا وہ تو ابھی سے ہی اپنے کسی دوست سے بات کر کے چین کی نیند سو رہا ہے۔'' وسیم نے اس کی بات پر کہا تھا۔

''اور میرے تو ابو جی کہتے ہیں کہ بی کام کے بعد ایم بی اے کرنا پڑے گا۔ نا جانے اور کتنا مجھے پڑھنا پڑے گا۔'' ناصر نے اپنا منہ لٹکا کر کہا تھا اور میں ان کی باتیں خاموشی سے سن رہا تھا۔ مجھے تو بس اپنے چچا جان اور چچی جان کو ہر حال میں خوش کرنا تھا۔ انہوں نے جو کرم و احسانات میرے اوپر کئے تھے، میں ان کے بوجھ تلے دبا ہوا تھا۔ میں نے دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا تھا کہ چچا جان اور چچی جان نے میری شخصیت کو مکمل کرنے کی غرض سے جو مجھ پر وقت اور اپنا پیسہ لگا کر محنت کی تھی اب کچھ عرصہ بعد میں انہیں دل و جان سے راضی کرنے کی نیت باندھے بیٹھا ہوا تھا۔ یہ دنیا، یہ ملک، یہ لوگ، مجھے کسی سے کوئی غرض نہ تھی۔ کون کیا کر رہا ہے؟ کیا سوچ رہا ہے؟ کس ڈھنگ میں سوچ رہا ہے؟ میں تو فقط ایک بات جانتا تھا کہ میری ذات کا محور صرف میرے چچا جان اور چچی جان تھے۔ وہ میرے بزرگ تھے اور میرے موجودہ والدین، بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ اب وہی میرے والدین تھے تو یہ بھی غلط نہ تھا۔

تھوڑی دیر ہم دوست یونہی کھڑے باتیں کرتے رہے اور پھر ہم اپنے اپنے گھروں کی جانب لوٹ آئے۔ میں جب گھر لوٹا تو چچی جان نے باورچی خانے سے باہر نکلتے ہوئے پوچھا۔'' بی کام میں کوئی مشکل تو پیش نہیں آ رہی بیٹا! تمہارے ابو بھی پوچھ رہے تھے۔ اگر مشکل ہے تو ٹیوٹر رکھوا دیں گے۔''

میں نے امی جان کی طرف مسکرا کر دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

''نہیں امی جان! اللہ کا بڑا احسان ہے۔ آپ والدین کی دعائیں ہیں۔ مجھے سب کچھ سمجھ آ رہا ہے۔''

''بس تمہارے ابو جان فکر مند تھے۔ صبح ناشتے کے دوران ہی انہوں نے مجھ سے کہا کہ بچے سے پوچھ لینا۔ کیونکہ ایف اے میں اس کے مضامین اور تھے اور اب تو بالکل ہی بدل چکے ہیں۔ پہلی مرتبہ پڑھ رہا ہے کوئی مشکل ہو تو فوری بتانا۔''

''میں اپنی پڑھائی میں سنجیدگی سے وقت لگاتا ہوں تھوڑا تھوڑا کر کے وقت کے ساتھ ساتھ چلتا رہتا ہوں امی جان! اس طرح مجھے مشکل نہیں ہوتی۔ اور اگر ہوتی بھی ہے تو اللہ تعالیٰ کی مدد اور آپ کی دعاؤں سے وہ مشکل آسان ہو جاتی ہے۔''

''بس بیٹا! اللہ تعالیٰ تمہیں کامیاب کرے۔ والدین اولاد کے لئے اس سے زیادہ اور کر بھی کیا سکتے ہیں۔''

میں زمین پر ہی ان کے قدموں پر بیٹھ گیا۔'' امی جی! والدین اولاد کے لئے جو بھی کریں چاہے کسی کی نگاہ میں تھوڑا ہی دکھائی دے لیکن سچ تو یہ ہے کہ اس تھوڑے میں بھی وہ خلوص اور سچی محبت و شفقت ہوتی ہے جو پوری دنیا میں کسی کے بہت کچھ کر دینے سے بھی عیاں نہیں ہوتی۔ بھلا والدین کا نعم البدل بھی پوری کائنات میں کہیں موجود ہے؟''

وہ میرے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولیں۔'' اللہ تمہیں سدا خوش رکھے۔ ہدایت یافتہ رکھے۔ برکات

سے نوازے۔"

☆.....☆.....☆

زیورات کی صندوقچی جو میرے والد مرحوم نے میرے نام کر رکھی تھی۔ اس وقت چچا جان نے بینک لاکر سے لاکر مجھے میرے ہاتھوں میں تھما دی تھی۔

"بیٹا! یہ کل زیورات ہیں۔ اس میں سونا بھی موجود ہے چاندی بھی موجود ہے۔ میں نے گن لئے ہیں اب تم بھی گن لو۔ اور اس کے بعد اگر بینک لاکر میں واپس رکھنے ہیں تو وہاں رکھ دو ورنہ اگر ان کو بیچ کر نقدی کی صورت میں تبدیل کروا کر اپنے ذاتی بینک اکاؤنٹ میں رکھوانا ہے تو ایسا کر لو۔ مطلب اب فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے۔"

میں نے صندوقچی کھول کر وہ تمام زیورات بغور دیکھے ابو کی ہدایت کے مطابق میں نے سب کو کاغذات میں درج تفصیل کے مطابق دیکھ لیا۔ "ابو جان! سب ٹھیک ہے۔"

"بس پھر اب فیصلہ بھی تمہارے ہاتھ میں ہے کہو گے تو بینک لاکر میں رکھ دیں گے تاکہ بوقت ضرورت کام آ جائیں ورنہ اگر تم چاہو تو انہیں فروخت کر کے نقد رقم بینک میں جمع کروا دو جو منافع کے ساتھ تمہیں بڑھ چڑھ کر مل جائے گی۔" اب میں ابو جان سے اس بحث میں الجھنا نہیں چاہتا تھا کہ منافع اور سود کا فرق کیا ہوتا ہے۔ لیکن میں نے کچھ سوچتے ہوئے چچا جان سے کہا۔ "ابو جان کیا واقعی ان زیورات پر میرا کلی حق ہے؟"

"ہاں بیٹا! یہ بھائی جان نے اپنی عمر بھر میں کمائے تھے اور تمہارے لئے ہی کمائے تھے۔"

"کیا میں اپنے مکمل اختیارات سے انہیں استعمال میں بھی لا سکتا ہوں۔"

"ہاں! بیٹا یہ تمہارے ہی ہیں۔"

"پھر میں نے چچا جان کی جانب بہت ادب اور پیار سے دیکھ کر کہا۔ "یہ میں آپ کو اور امی جان کو تحفہ کرتا ہوں۔" میری یہ بات سن کر وہ ایک لحظہ کے لئے سکتہ کی حالت میں وہیں پر منجمد کھڑے رہے۔ نہ ان کی صورت میں خوشی کے آثار تھے اور نہ ہی کسی اور طرح کا تغیر میں نے ان کے چہرے پر دیکھا وہ بہت آہستہ سے چلتے ہوئے اپنی مطالعہ گاہ کی کرسی پر بیٹھ گئے۔ عینک انہوں نے آنکھوں سے اتار لی۔ خاموش ہو کر انہوں نے اپنے دونوں بازوؤں کی کہنیاں میز پر ٹکا دی تھیں اور دونوں ہاتھوں سے دائیں بائیں گال ڈھانپ کر کچھ سوچنے میں محو ہو گئے۔ میں تیزی سے ان کے پاس رکھے صوفے پر بیٹھ گیا۔

"ابو جی! آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟"

"ہاں! ہونہہ!" انہوں نے میری جانب سنجیدگی سے دیکھا ایک پھیکی مسکراہٹ تھی جو ان کے چہرے پر آئی اور آ کر واپس کہیں غائب ہو گئی۔

"پھر آپ کیا سوچ رہے ہیں ابو جی؟" "کیا ایک بیٹا باپ کو..... ماں کو اپنے والدین کو تحفہ نہیں دے سکتا۔" انہوں نے میری اس بات پر میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "بالکل دے سکتا ہے ٹھیک ہے چلو دیکھیں کہ اس صندوقچی میں ہے کیا۔" وہ اٹھے اور پھر اس صندوقچی کو کھول کر اس میں سے ایک نیلے رنگ کی انگوٹھی نکالی۔ "یہ دیکھو بیٹے۔" میں دلچسپی سے اس انگوٹھی اور ابو جان کو دیکھ رہا تھا۔

"یہ انگوٹھی میں نے بھائی جان کی موت کے بعد ان کی انگلی سے اتار لی تھی اور پھر اس صندوقچی میں ڈال دی تھی تاکہ جب تم اس صندوقچی کی بضاعت کے اہل ہو جاؤ گے تو تمہیں تمہارے باپ کی آخری نشانی بھی مل جائے گی۔" میں نے دیکھا کہ ابو جی یہ کہتے ہوئے آبدیدہ ہو گئے تھے۔ شاید وہ گیارہ سال پیچھے اس دن کو یاد کر کے رو پڑے تھے جب ان کے بڑے بھائی اپنی جان کی بازی ہار گئے تھے اور یہ تن تنہا ان کا بے جان جسم لینے روانہ ہوئے تھے وہاں انہوں نے میرے حقیقی ابو کی بے جان انگلی سے یہ انگوٹھی نکال لی تھی۔ یہ خیال ہی میرے لئے بڑا اذیت ناک بن گیا۔ میں اپنے چچا کے ساتھ جڑ گیا تھا وہ بھی مجھے اپنے ساتھ یوں جڑا دیکھ کر سنبھل گئے۔ "بیٹا! یہ دیکھو! غور سے! اس انگوٹھی کو ہارڈ